ع سدا روئیں گے ہم تجھے یاد کر کے

میرے شیخؒ کی حسین یادیں

مولانا قاضی عبدالحلیم کلاچی

میرا استاذ ـــ نہیں بلکہ ایک پوری دنیا کا محبوب استاذ اور شیخ امیر المومنین فی الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ سنتِ آدم کے مطابق دنیائے فنا سے منہ موڑ کر راہی عالم بقا ہو گیا۔ انا ﷲ و انا الیہ راجعون ؎

اگر دنیا بکس پائندہ بودے
ابوالقاسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ بودے

حضرت شیخ کا مزار کہاں ہے؟

بلا مبالغہ حضرتؒ کے جانے سے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرتؒ کی ہستی قرون اولیٰ کی تصویر تھی اور حضرتؒ کا شمار دنیائے رنگ و بو کے اُن یگانۂ روزگار شخصیات نابغۂ عصر اور عبقری افراد میں تھا کہ جن کی وفات کے بعد ان کا جسد عنصری تو زیرِ خاک پہنچ جاتا ہے لیکن ان کے انفرادی اعمال و صلاح اور اجتماعی و ملی قربانیوں سے لبریز لاشہ ملت کے سینہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ عارف مرحوم حضرت شیخؒ جیسے لاثانی ہستیوں کے زبان سے فرما گئے ہیں ؎

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

شیخ انسانی شکل میں ایک فرشتہ تھا

علوم عالیہ علوم آلیہ، تدریس و تقریر، تحریر و افتاء، زبان و بیان قلم و قرطاس[1]، وعظ و ارشاد، پند و موعظت، جہاد و عزیمت اور دینی مذہبی اور ملی قربانیوں میں حضرت کا کیا مقام تھا یہ تو ان کرچوں سے واقف حضرات ہی تفصیل سے بتائیں گے۔ میں ایک دیہاتی اور علم و عمل سے عاری انسان تو حضرتؒ کی شرافت طبع، بلندئ اخلاق اور بے مثال تواضع و انکسار کو دیکھ کر یہ محسوس کرتا ہوں کہ قدرت نے مہربان ہو کر انسانی شکل میں ایک فرشتہ بھیج دیا تھا اور جب قدرت نے ہم لوگوں سے اس نعمت کی بے حد ناقدری دیکھی تو یہ فرشتہ اٹھا لیا گیا کیونکہ

ع توجہ چشم ساقی کی بقدرِ تشنگی ہوگی

اور اب اس نعمت کے چھن جانے کے بعد لگتا ہے کہ یہ تو حضرتؒ کیا گئے جہان ٹھہر گیا، فضا بدل گئی اور پیمانے کی گردش رک گئی ؎

جہاں ٹھہرا ہوا سا ہے فضا بدلی ہوئی سی ہے
مرے ساقی نے پیمانے کی گردش روک دی ہو گی

فنا اور بقاء کا صحیح معیار

یہ کہنا کسی حد تک صحیح ہے کہ انسان عجیب ہے۔ آج ہے اور سب کچھ ہے اور آج نہیں اور کچھ بھی نہیں اور کسی نے اس ہست و نیست کو بجا طور پر کتنی پُر اثر تعبیر دی ہے ؎

---

[1] یعنی دنیوی جسمانی کیونکہ برزخی جسمانی پر اجماع ہے

زندگی انساں کی ہے مانند مرغِ خوش نوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اُڑ گیا

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اس چمنستانِ انسانیت میں بعض پھول ایسے بھی کھلے ہیں جن پر مرجھانا نہیں جن پر فنا نہیں۔ ان کا علم زندہ ہے ان کا عمل زندہ ہے ان کی معرفت زندہ ہے اور ان کی علمی عملی روحانی اور عرفانی میراث اگر ہزاروں تک کی تعداد میں اخلاف اور رشید اخلاف تقسیم کر رہے ہیں اور بانٹ رہے ہیں تو ان پر موت نہیں آئی بلکہ ان کو درحقیقت فناء کے بعد بقاء نصیب ہوئی ہے۔ حضرت شیخ رح کے شیخ یعنی شیخ العرب والعجم حضرت سیدنا و مولانا حسین احمد المدنی قدس سرہ العزیز کی رحلت پر حیرت انگیز واقعات میں ہندوستان کے دلاور فنگار نے ایک طویل مرثیہ لکھا ہے۔ حضرت امیرالمومنین فی الحدیث کی علمی و عملی میراث نسبی و روحانی فرزندوں کے ذریعہ بے دھڑک تقسیم ہوتے ہوئے دیکھ کر اس طویل مرثیہ کا مقطع مناسب حال سمجھ کر مستعار لے رہا ہوں ؎

نامِ حسین مٹ نہ سکے گا قضا کے بعد
اس کو بقا نصیب ہوئی ہے فنا کے بعد

حضرتؒ کی پہلی زیارت

غیر اختیاری سنت اور حضرتؒ کے قدموں کی چاپ میں ۱۳۸۸ھ

جبکہ راقم الحروف مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہٗ کے ہاں دورہ موقوف علیہ کا طالب علم تھا اور اس زمانہ میں اسلامی سیاست پر جمہوریت اور لادینیت کا بھوت سوار نہیں ہوا تھا۔ والد ماجد جیسے بہت سے اکابر علی وجہ البصیرت سیاست کی پُرخار وادی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ والد ماجد اس دور میں جمعیۃ کے دیگر مرکزی اور صوبائی ذمہ داریوں کے ساتھ ڈیرہ ڈویژن کے جمعیۃ کے امیر بھی تھے۔ اس دوران جمعیۃ ڈیرہ ڈویژن نے ایک تاریخی کانفرنس منعقد کی۔ بلند پایہ علماء کرام اعلیٰ پایہ کے شیوخ چوٹی کے مقررین اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے سربرآوردہ حضرات تشریف لائے۔ میرے حافظہ میں اس کانفرنس کا اگر کوئی نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ حضرت کی ذات سے ہی وابستگی رکھتا ہے اور ہونا بھی ایسا چاہیئے کیونکہ ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

کانفرنس کے دوسرے زوایا مزایا کو مستحضر کرنے کے لیے حافظہ پر زور ڈالتا ہوں مگر سوائے حضرت رح کے کوئی قابلِ ذکر چیز یاد نہیں آرہی گویا حضرت کی پہلی زیارت میں بھی معاملہ کچھ اس قسم کا تھا کہ ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم یک بین نکند بکس نگاہے

بات شاید بالکل صاف نہ ہوئی ہو اس لیے کھل کر کہتا ہوں کہ ؎

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

اس لیے حافظہ پر اعتراض نہیں کہ اس نے فلاں چیز کو بھلا کیوں دیا اور فلاں چیز کو یاد کیوں رکھا۔ بہرحال تشریف کانفرنس میں حضرتؒ کی آمد ہوئی۔ وہ منظر مکمل طور پر آنکھوں کے سامنے ہے۔ دن کے کوئی ۱۲ بجے حضرت شیخ رح برادر محترم مولانا عبدالرحمٰن صاحب صدیقی نوشہرہ کی معیت میں خراماں خراماں اور ایک عجیب شان دلربائی و بے نیازی کے ساتھ ہماری نشست گاہ کے بالکل قریب سے گزرے۔ طویل عرصہ گزرنے کے باوصف ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے حضرتؒ ابھی میرے قریب سے گزر رہے ہیں۔ قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے اور اور آج بھی

؎ دل کی دھڑکن انہی قدموں کی صدا لگتی ہے

میں نے جلدی میں حضرتؒ پر ایک نظر ڈالی۔ سر سے پاؤں تک دیکھا۔ جمالِ جہاں آرا سے محظوظ ہوا۔ میں اس سے پہلے حضرت رح کے جمالِ تواضع اور انکسار کے بہت سے واقعات اور حالات بھی سن چکا تھا لیکن اس پہلی زیارت میں اس مقدس چہرہ پر جہاں شعاعِ نور کھیلتی ہوئی نظر آئی وہاں اس شخصیت کو دیکھ کر میرے اوپر انتہائی رعب بھی طاری ہو گیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت من رآہ بداھۃً ھابہ (او کما قال) غیر اختیاری طور پر حضرت شیخ رح کو حاصل ہو گئی ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ارض حقانیہ یا آغوشِ مادر

٨٩ھ میں احقر نے مادر علمی حقانیہ میں دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا۔ میں وہ منظر بھلائے بھی نہیں بھول سکتا جب میں نے زندگی میں پہلی بار حقانیہ کے صحن میں قدم رکھا۔ پہلی بار حاضری کے باوجود اجنبیت نام کی کوئی چیز میرے قریب نہیں تھی۔ حقانیہ کی سرزمین، درودیوار اور ذرہ ذرہ میں علم وعمل کی رنگ و بو رچی بسی دکھائی دے رہی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے مجھے اس جگہ سے اور خاک کے ان ذروں سے بہت پرانی شناسائی ہے موسم سرما کے دن تھے اور یوم الجمعہ تھا۔ احاطۂ دورۂ حدیث شریف میں دھوپ میں خدائی فرش پر ہم جس راحت، سکون، دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے اس کی منظر کشی سے قلم عاجز ہے بس یوں سمجھیں کہ مادر علمی کی سرزمین تھی کہ آغوشِ مادر کی طرح ہمیں اپنے گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہی تھی یا ہم تھے کہ اسے آغوشِ مادر سمجھ کر اس کے ساتھ چمٹنے کی کوشش کر رہے تھے گویا

؎ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

حضرتؒ کی اقتدا میں پہلا جمعہ

زندگی کا پہلا جمعہ تھا جو اکوڑہ خٹک میں آرہا تھا۔ ہم خوشی خوشی حضرتؒ کی مسجد میں پہنچے، حضرتؒ کی تقریر جاری تھی۔ صاف آواز بھرپور اور پراعتماد لہجہ اور نصح و خیر خواہی کے عجیب دردمندانہ اور باوقار آواز میں حضرتؒ کا بیان جاری تھا۔ نماز کے بعد حضرتؒ کی زیارت ہوئی۔ ہم چند ساتھی تھے۔ حضرتؒ کے اس جملہ کی حسین یاد آج تک دل ودماغ میں موجود ہے کہ حضرت نے نہایت مشفقانہ اور متبسمانہ انداز میں پشتو میں دریافت فرمایا کہ قاضی صاحب کا صاحبزادہ کونسا ہے؟

اس کے بعد حضرتؒ نے اپنے صاحبزادہ مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ کو جو حضرتؒ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے اپنے دولت خانے سے چائے لانے کا فرمایا۔ حضرت محترم مولانا سمیع الحق صاحب بھی ایک خوشنما نئی سویٹر زیب تن کیے ہوئے اور ہاتھ میں نئی آمدہ ڈاک کا ایک انبار تھامے ہوئے حضرتؒ سے تھوڑے فاصلہ پر بیٹھ گئے اور ڈاک پر کارروائی کرنے لگے۔

حضرت کی اکوڑہ خٹک میں پہلی زیارت، حضرتؒ کا پہلا جمعہ، حضرت کی پہلی چائے، حضرت اور حضرت کے صاحبزادگان کی پہلی یادگار مجلس اور جمعہ کے بعد مسجد میں حضرتؒ کی پہلی نشست کی تصویر آج بھی دل ودماغ میں ایسی نقش ہے جیسے کہ کل کی بات ہے ؎

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

حضرت شیخ کی ایک کرامت

بہرحال دورۂ حدیث شریف شروع ہوگیا۔ دروس حدیث کے علاوہ حضرت کی نورانی مجلسیں پاکیزہ صحبتیں میسر ہونے لگیں اور پھر میں بھی بحمد اللہ ان چند خوش نصیب افراد میں تھا کہ جنہیں تقریباً ڈیڑھ صد شرکاء دورۂ حدیث شریف میں قراۃ علی الشیخ کا شرف حاصل تھا اور تحدیث نعمت کے طور پر عرض کروں کہ حضرت شیخؒ نے احقر سے علیحدگی میں خصوصی طور پر بخاری شریف کی قرأت کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

قراۃ علی الشیخ اور پستول

اُس دور میں طلبہ کے ہجوم اور درا صل طلبہ کے شوق کی وجہ سے نشستوں پر کافی لڑائی جھگڑا بھی ہوتا تھا۔ طلبہ کے شوق کا یہ عالم تھا کہ قرأت علی الشیخ کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت پر یہاں تک صورت بن گئی کہ ہمارے ایک ضرورت سے زاید شائق دورۂ حدیث شریف کے رفیق مولوی محمد اعظم افغانی نے اپنے پاس پستول اس غرض سے رکھی کہ اگر کسی نے مجھ سے میری قرأت چھیننے کی کوشش کی تو میرے اس پستول کی گولی اس کے سینے میں پیوست ہوگی۔ اس واقعہ کی تصدیق سے میرے ہم درس مولانا حافظ مفتی نثار اللہ صاحب مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ اضاخیل بالا پشاور کے علاوہ عظیم مجاہد جرنیل حزب اسلامی کے کمانڈر (ہمارے دورۂ حدیث شریف کے ساتھی) مولانا جلال الدین حقانی بھی کریں گے۔

بہرکیف نشستوں کی ترتیب طلبہ کے اس قدر شوق کی وجہ سے قرعہ کے لحاظ سے ہوتی تھی اور قرعہ کی وجہ سے شریک دورۂ حدیث شریف کو جو نشست مل گئی وہی نشست سال کے آخر تک برقرار رہتی۔ اس لیے قرعہ کے وقت ہر ایک طالب العلم کا دل دھڑکتا تھا اور دعا ہوتی تھی کہ حضرت شیخ رح کے سامنے یا کم از کم قریب ہی کوئی سیٹ مل جائے۔

حسنِ اتفاق سے احقر کی نشست حضرت رح کے بالکل روبرو متعین ہو گئی۔ اس پر مجھے جتنی خوشی ہوئی اس کا نقشہ آج تک مجھے یاد ہے۔ لیکن اس پر جہاں بڑی خوشی ہوئی وہاں یہ امتحان بھی سر پر آ گیا کہ پہلی صف میں اور حضرت رح کے بالکل سامنے ہونے کی وجہ سے وقت پر پہنچنا پڑتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر وقت حاضر دماغی اور توجہ اور ادب سے بیٹھنا بھی گویا ذمے ہو گیا تھا۔ اس صورتِ حال میں ایک روز احقر نے حضرت رح کی عجیب کرامت دیکھی۔ ہوا یہ کہ میری نظریں تو حضرت رح کے نورانی چہرہ پر تھیں یا پھر قلم ہاتھ میں لے کر کاپی پر تھیں اور انگلیاں حرکت بھی کر رہی تھیں مگر واقعہ یہ تھا کہ اس وقت میرا بُت تو حضرت کے سامنے تھا مگر دماغ بالکل غائب تھا۔ میں پتہ نہیں کہاں سے کہاں پھر رہا تھا کہ اچانک حضرت رح کے ان جملوں نے مجھے چونکا دیا کہ

"عبدالحلیم صاحب! مسئلہ پر جو تقریر ہو رہی تھی وہ تم سمجھ گئے ہو گے۔ یہ ذرا ساتھیوں کے سامنے بیان کر دو گے؟"

بس پھر کیا تھا میں شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت رح کا مقصد نہ مجھ سے تقریر کرانا ہے نہ کوئی اور بات ہے بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ "جناب تم کہاں پھر رہے ہو" کیونکہ پورے سال میں صرف یہی ایک دفعہ جب کہ میں درس میں غافل ہوا حضرت نے اس انداز میں تنبیہ فرمائی۔ مجھے ان جملوں سے جگانے کے بعد حضرت نے درس جاری رکھا اور میرے دل میں حضرت رح کی اس حسنِ تنبیہ اور کرامت کی وجہ سے ندامت اور خجلت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

درسِ شیخ کا ایک امتیازی وصف

حضرت شیخ کے درس کے بہت سے امتیازی خصوصیات اور اوصاف تھے تفصیل کی گنجائش نہیں۔ حضرت رح کے ہزاروں تلامذہ اس کی شہادت دیں گے

ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

لیکن حضرت رح کے درس کا ایک خاص وصف یہ تھا اور ایک امتیازی شان یہ تھی کہ حضرت رح کا درس طلبہ کے تینوں اقسام کے افراد کے لیے یکساں طور پر مفید ہوتا تھا۔ ذکی، متوسط اور غبی سب جب درس سے اُٹھتے تو جھولیاں بھری ہوئی ہوتی تھیں۔ یقین کریں کہ حضرت ہر مسئلہ پر مختلف تعبیرات سے بیان فرماتے کہ ذکی، متوسط کو تکرار بھی محسوس نہ ہوتا لیکن جب مسئلہ اور موضوع کے اختتام پر طالب علم سوچتا تو اسے معلوم ہوتا کہ حضرت رح نے در اصل ایک ہی بات کو تین دفعہ دُہرا کر ذکی، متوسط اور غبی تینوں کے انتفاع کا سامان مہیا کیا ہے۔ احقر نے ایک موقع پر حضرت کے متعلق اردو کا ایک مدحیہ قصیدہ کہا جس کا ایک شعر مناسبِ محل سمجھ کر نقل کر رہا ہوں ؂

درس تیرے میں بھرا ہے رنگ انور شاہ کا
شیخ مدنی رح کی امانت کا امیں تو ہی تو ہے

حنفی مذہب کا عظیم محسن

اس کے ساتھ ساتھ مذاہب کے اختلاف پر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ متعصب سے متعصب شخص بھی اگر حضرت رح کی زبان فیض ترجمان سے احناف کے مذہب کی ترجمانی سُنے تو اسے حنفی مذہب پر شرح صدر ہونے کے بغیر چارۂ کار نہ ہو گا۔ اس لحاظ سے حضرت رح حنفی مذہب کے عظیم محسن اور عظیم وکیل ہیں۔

حضرت رح درس کے دوران عام طور پر کسی حوالہ کے لیے جب کبھی دارقطنی کا ذکر فرماتے تو نیم متبسمانہ لہجہ میں فرماتے کہ شوافع کا وکیل دارقطنی۔

مجھے یقین ہے کہ دارقطنی اگر حیات ہوتے اور حضرت رح کی فقہ حنفی کی ترجمانی کو دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے کہ احناف کا وکیل شیخ عبدالحق۔

مدارس کی تاریخ کا واحد واقعہ

احقر نے بعض بڑے اور بہت سے چھوٹے مدارس کو دیکھا ہے

سُنا ہے حالات پڑھتے ہیں ۔ عام طور پر اربابِ اہتمام کو (الا ماشاء اللہ) طلبہ اور دیگر اساتذہ کی نظروں میں ایک ایسا گروپ متصور کیا جاتا ہے کہ جو گویا ان کے حقوق چھین رہا ہے، ان پر ظلم کر رہا ہے اور ان کی تحقیر و اہانت میں کوئی کمی نہیں کر رہا اس کے ساتھ اربابِ اہتمام بھی (اور یہ بھی الا ماشاء اللہ) اور ہر نہ ہر اپنی بات کی پچ کو برقرار رکھنا زندگی کا ایک اہم مقصود اور لب لباب سمجھتے ہیں ۔ اس افراط و تفریط نے مدارس کا وقار مجروح کیا دنیا میں بے عزت کیا اور مستقبل کے لیے افراد کا بنانا بند کر دیا ۔ دارالعلوم حقانیہ بھی بہت بڑا ادارہ ہے ۔ اس میں عام روش کے مطابق بہت سے فتنوں نے موقعہ بموقعہ سر اٹھایا لیکن حضرتؒ کی ایمانی فراست، تدبر، حوصلہ، عالی ظرفی نے بڑے سے بڑے فتنے کو ایسا دبا دیا کہ جیسے کچھ ہوا بھی نہیں ۔ ایسے ہی ایک موقع پر جس کی تفصیل کی نہ ضرورت ہے نہ خاص یاد ہے، طلبہ نے اپنی حماقتوں سے مطبخ سے کھانا لینے کا بائیکاٹ کر دیا (اور الحمدللہ کہ احقر اور احقر کے بعض رفقاء اس گناہ میں شریک نہیں تھے) کھانا تیار تھا لیکن طلبہ لینے سے انکار کر رہے تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ بازار میں پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے پر تول رہے تھے طلبہ ابھی اس سوچ میں تھے کہ حضرتؒ دارالحدیث ہال میں تشریف لائے گھنٹی بج گئی ۔ دارالحدیث ہال بھر گیا ۔ حضرتؒ نے نہایت ناصحانہ مشفقانہ عالمانہ اور عارفانہ انداز میں پیش شدہ مسئلہ پر روشنی ڈالی جس سے تمام طلبہ مطمئن ہو گئے (الا ماشاء اللہ) اور آخر میں فرمایا کہ اصل مسئلہ سے قطع نظر سینکڑوں کی تعداد میں طلبہ کا بازار میں کھانے کی ضرورت کو پورا کرنا یہ دارالعلوم کی بہت بڑی توہین ہوگی اور اس موقعہ پر حضرت شیخؒ نے اپنی ٹوپی مبارک اپنے سر سے اتار کر طلبہ کے سامنے ڈال دی اور فرمایا کہ میں اپنی ٹوپی آپ کے قدموں میں ڈال رہا ہوں بس پھر کیا تھا بہت سے طلباء کے آنسو نکل آئے ۔ اپنی حماقت پر نادم ہوئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کی آوازیں آنے لگیں ۔ کیا برصغیر کے دینی مدارس کی پوری تاریخ میں کوئی ایک بھی مثال پیش کر سکتا ہے کہ ہزاروں علماء و فضلاء کا شیخ بین الاقوامی سطح کا مشہور و معروف محدث اور بہت بڑے دینی ادارہ کا واحد مختار کل علاقہ کی زبردست قومی و سیاسی شخصیت ادارہ علم طلبہ اور علماء کے وقار کو بحال کرنے کے لیے اپنی ٹوپی اپنے ادنیٰ طالب علموں کے قدموں میں رکھ دے ۔

ایک اور عجیب واقعہ

علم کیا ہے اور اس کی اصلی روح کیا ہے؟ سیدی حضرت افغانیؒ نے ایک مکتوب میں (جو احقر کے نام ہے) تحریر فرمایا ہے:

ع بیخ جملہ علمہا این است و این
تا بدانی من کیم در یوم دین

لیکن جب سے علم کی اصلی روح ماند پڑ گئی اخلاص تقویٰ، دیانت امانت نے بستر بوریے لپیٹ لیے ۔ کام اور علم، خدمت اور استاذی کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جانے لگا ۔ استاذ صاحب کے قریب پانی کا گھڑا رکھا ہوا ہوتا ہے، کلاس ساتھ ہوتا ہے لیکن یہ اپنے لیے پانی انڈیلنے کا یہ عمل تقویٰ علم استاذی کے منافی سمجھتا ہے ۔ اگر قریب کوئی نہیں ہے تو دور نظر آنے والے طالب علم کو بلاتا ہے ۔ اگر دور بھی کوئی نظر نہیں آتا تو اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کوئی آئے اور پانی گھڑے سے نکال دے لیکن اس ماحول میں بھی ان گنہگار آنکھوں نے ہزاروں شاگردوں کے استاذ' اولاد و احفاد' نوکر و خدام کے جھرمٹ میں امیر المومنین فی الحدیث شیخی و استاذی مولانا عبدالحق رحمہ اللہ صاحب کو اپنے مویشی کو اس نقطۂ نگاہ سے چارہ ڈالتے ہوئے دیکھا کہ یہ خدا کی مخلوق ہے ۔ اس کی خدمت ہمارے ذمے فرض ہے

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

دارالحدیث اور درسگاہوں پر غاصبانہ قبضہ

ہماری طالب علمی کے دوران ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا تھا کہ چند طالب علم (غالباً تین افراد تھے) جن کی وابستگی ایک ایسی جماعت سے تھی جس کا بانی دین کے عقائد اور اصول پر تیشہ زنی کر رہا تھا حضرت شیخؒ کی تو ہر بات سنت کے مطابق تھی ۔ قرآنی اصول حکمت اور موعظہ حسنہ سے ان کو سمجھانے کی پوری کوشش کی گئی لیکن وہ اپنی حرکات سے باز نہ آئے لیکن اس کے باوجود

حضرتؒ طلبہ کے اخراج کے سلسلہ میں بہت ہی متامل تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ یہاں رہیں تو ممکن ہے اصلاح ہو جائے لیکن بعض طلبہ جن کی خمیر میں ہی خباثت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ گویا ہر لمحہ اس کے منتظر رہتے کہ کوئی موقعہ آئے کوئی بہانہ ملے کہ تخریب کاری کر دی جائے۔ چنانچہ ایک رات تخریبکاروں نے یہ منصوبہ بنایا کہ کل طلبہ کو اسباق پڑھنے نہیں دیں گے اور دار الحدیث اور درسگاہوں کے سامنے ڈنڈوں سمیت کھڑے ہو کر طلبہ کو اور اساتذہ کو دار الحدیث اور درسگاہوں میں داخل ہونے سے روکیں گے۔ یہ منصوبہ انہوں نے رات گئے بنایا جس کا علم ظاہر ہے کہ حضرت شیخؒ کو بروقت نہ ہو سکا لیکن حضرتؒ کی کرامت تھی کہ کچھ نیک طلبہ درمیان میں گھس گئے اور ان کی تخریب کاری کا رُخ اس طرح موڑ دیا کہ خود ان کو بھی پتہ نہ چل سکا۔ چنانچہ ان نیک طلباء نے یہ تجویز رکھ دی کہ اگر آپ نے یہ احتجاج کرنا بھی ہے تو اس کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ بجائے اس کے کہ طلبہ کو اساتذہ کو روکا جائے اور مار پٹائی، کشت و خون اور ہاتھا پائی کی نوبت آئے۔ اس کی جگہ پر دار الحدیث اور دیگر درسگاہوں کو مقفل کر دیا جائے۔ یہ آپ کے مطالبہ کے حق میں علامتی پُر امن ہڑتال ہوگی۔ چنانچہ راتوں رات صبح کی اذان سے قبل یہ عمل تکمیل کو پہنچا اور صبح جب دار العلوم کا تعلیمی وقت شروع ہونے لگا تو دار الحدیث اور تمام درسگاہیں مقفل تھیں۔ حضرتؒ تشریف لائے۔ اساتذہ کی میٹنگ بلائی۔ بعض اہم نوجوان اساتذہ کا موقف یہ تھا کہ چونکہ طلباء نے اپنی بات منوانے کا یہ غلط طریقہ اختیار کیا ہے اس لیے جو لوگ بھی دار الحدیث اور درسگاہوں کو مقفل کرنے کا عمل کر چکے ہیں یا اس کے حق میں ہیں ان سب کے بستر ے گول کر دیے جائیں لیکن حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ مطالبہ ان لوگوں کا برحق ہے یعنی ان طلبہ کا اخراج جو ایک بے دین جماعت سے عملاً وابستگی رکھتے ہیں اگرچہ انہوں نے غلط طریقہ استعمال کیا ہے۔ غلط طریقے کے اختیار کرنے کی وجہ سے ان کے صحیح مطالبہ کو نہیں ٹھکرایا جاسکتا چنانچہ حضرتؒ نے ان طلبہ کے اخراج کا حکمنامہ تحریر کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ وہ "اعلان گاہ" میں آویزاں کر دیا گیا۔ ان کی کتابیں سنبھال لی گئیں اور ان کی چارپائیاں وصول کر لی گئیں اور اس طرح حضرتؒ کے علم و تدبر، صلح پروری اور دین دوستی نے درحقیقت تخریب کاروں کی تخریب کاری کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا

؎ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

شیخ زادہ کی تشریف آوری
یا شاگرد رشید کی آمد

جس سال ہم لوگ دورۂ حدیث میں شریک تھے حضرتؒ کے شیخ یعنی شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد المدنی نور اللہ مرقدہ کے خلف صالح اور حضرت شیخ کے شیخ زادہ مولانا سید اسعد مدنی صاحب پاکستان کے دورہ کے دوران حسب معمول دار العلوم حقانیہ بھی تشریف لائے۔ مولانا اسعد مدنی مدظلہٗ حضرت کے شیخ زادہ تو تھے لیکن دوسری حیثیت میں خود حضرت کے شاگرد بھی تھے۔ مولانا اسعد صاحب کی طرف سے حضرتؒ کے ساتھ تلمذ کا تعلق تھا اور حضرت شیخ کے لیے مولانا اسعد صاحب شیخ زادہ۔ اب ان کی ملاقات کا منظر اور ان کی مجلس و گفتگو کی تصویر ناممکن ہے کہ حیطۂ قرطاس میں سما سکے۔ بوئے گل کو گل سے اگر الگ نہیں کیا جا سکتا تو یہاں اس مجلس و ملاقات میں دونوں جانب سے ادب و احترام، توقیر و تعظیم اور شفقت و مسرت کی اداؤں کو میرے لیے نوک قلم پر لانا ناممکن ہے۔ شعراء کا پرواز تخیل بہت بدنام ہے لیکن سوچا تو حقیقت میں انہوں نے ہمارے لیے بہت سے مسائل کو آسان کر دیا ہے۔ اب شیخؒ اور شیخ زادہ شیخؒ یا محبوب استاذ اور رشید شاگرد کی ملاقات اور مجلس کا نقشہ اگر کھینچ سکتا ہوں تو اس مصرع سے کہ

؎ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

یا پھر اس شعر سے کہ

حسن سے مرتے نہیں مرتے ہیں ان دو چار سے
ناز سے انداز سے رفتار سے گفتار سے

یا پھر قارئین سے اس مصرع کے ذریعے جان چھڑا سکتا ہوں کہ

؎ بخدا لذت اس نے نشناسی تانہ چشی

شیخ زادہ کی روانگی کے بعد

شیخ زادہ کی روانگی کے بعد دیر تک حضرت کی عجیب کیفیت رہی۔

شیخ زادہ صاحب مغرب کی نماز کے بعد دارالعلوم حقانیہ سے عیرے شیخ زادوں مولانا سمیع الحق مولانا انوار الحق کی معیت و رفاقت میں سنخاکوٹ کی طرف روانہ ہو گئے اور ہم لوگ حضرت شیخ کو دردِ دست ملک پہنچانے کی غرض سے حضرت کے ساتھ چل پڑے۔ پورا راستہ حضرت شیخ رح، حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد المدنی قدس سرہ العزیز کے کمالات، ہمت و جرأت، استقامت علم اور عمل کے واقعات سناتے رہے۔ فرمایا، ایک دفعہ حضرت شیخ رح رات گئے سفر سے واپس ہوئے۔ حسبِ معمول سیدھے دارالحدیث تشریف لے گئے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ طلبا اپنے اپنے کمروں میں گھس گئے تھے اور زیادہ دیر ہونے کی وجہ سے کسی کے وہم میں بھی نہ تھا کہ آج بھی سبق ہو گا لیکن اچانک گھنٹی بج گئی ہم لوگ دارالحدیث پہنچ گئے۔ ہمارا خیال تھا کہ آج تو بحث نہ ہو گی۔ مختصر سا سبق ہو گا فرمایا باب الصوم زیرِ بحث تھا۔ حضرت شیخ رح نے بحث شروع فرمائی اور فرمایا" اس میں آٹھ قول ہیں" اس میں آٹھ قول ہیں کا جملہ مجھے (راقم السطور عبدالحلیم عفی عنہ کو) اپنے شیخ کی زبان سے اس قدر یاد ہے کہ جیسے ابھی سن رہا ہوں کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ" اس میں آٹھ قول ہیں"

ختم بخاری شریف کی تقریب

دورۂ حدیث شریف کے سال کے بالکل آخر میں جب بخاری شریف ختم ہوتی ہے اور اس کا آخری سبق ہوتا ہے تو دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کی خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ پورا سال حدیث پاک کے پاک شغل میں گزرا ہوتا ہے۔ ایک شیخ کامل اور عارف ربانی کی صحبت اس پر مستزاد اور سونے پہ سہاگہ۔ پورے سال کے حدیث یار اور صحبت یار (صحبت شیخ) نے طبیعتوں میں نکھار اور قلب میں بڑی جلاء پیدا کر دی ہوتی ہے۔ کچھ اس قسم کے نورانی اور پُرسکون ماحول اور عجیب جذبات میں ہمارے دورۂ حدیث شریف کا اختتام ہونے لگا۔ بخاری شریف کی آخری حدیث کا اعلان ہوا اور عصر کے بعد مسجد حقانیہ کے دلکشا اور روح افزا صحن میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ نے آخری درس دیا اور کتاب تکمیل کو پہنچ گئی۔ سنداً اجازت عطا کی گئی اور سند کو مسلسل فرمایا گیا۔ دوسرے شیوخ حدیث اساتذہ کرام نے بھی مختصر سی تقریروں کے ساتھ اجازتِ احادیث عطا فرمائی۔ شیوخ حدیث اور محبوب اساتذہ کی وہ پیاری انجمن اب زیست میں نظر آئے ناممکن ہے۔ عمر رفتہ اور عہد ماضی کو لوٹانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اب اگر کچھ رہ گیا ہے تو دل کے تڑپانے کے لیے یہ گنگنانا کہ ؎

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش
بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

اب حقانیہ کے در و دیوار کو اپنے اساتذہ حدیث حضرت شیخ رح حضرت مولانا محمد علی صاحب اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبی کے بغیر دیکھ کر جی بھر آتا ہے کہ

؎ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

نحو کی مشہور کتاب شرح جامی میں ایک جگہ حاشیہ پر یہ شعر بارہا پڑھے ہیں اور پڑھائے ہیں لیکن حضرت شیخ رح کو دفن کرنے کے بعد اب ان کو پڑھتے ہوئے کتنی ٹیس لگ رہی ہے اس کی تعبیر قیدِ تحریر میں نہیں آسکتی ؎

ایا منزلی سلمیٰ سلامٌ علیکما
ھل الازمن اللائی مضین رواجع
وھل یرجع التسلیم او یکشف العمیٰ
ثلاث الاثافی والدیار البلاقع

مولانا شیر علی شاہ صاحب کے لیے دعا

ختم بخاری شریف کی دعا میں ہمارے ہم وطنیں کے استاذ مولانا شیر علی شاہ صاحب کے لیے خصوصیت سے دعا کی گئی کیونکہ وہ انہی دنوں کسی تقریر کی بنا پر اسیر پاکستان تھے۔ حضرت شیخ رح کے یہ جملے آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں کہ" یا اللہ مولانا شیر علی شاہ صاحب کو جلد از جلد رہائی عطا فرما۔"

تقسیم انگور

بخاری شریف کے ختم پر ہم لوگ انگور لائے تھے۔ اچھی طرح یاد ہے نوشہرہ سے کوئی ۱۴ کریٹ انگور غالباً ہمارے رفقاء دورۂ حدیث میں جہیر الصوت مولانا قاری عبدالسبوح صاحب

کو ماٹی خرید لائے تھے۔ ختم کے بعد حضرت تو تشریف لے گئے۔ دیگر اساتذہ کرام اور طلبا رعظام نے مسجد کے کشادہ صحن میں دسترخوان بچھا کر اسے تناول فرمایا۔

حضرتؒ کے لیے وفد

حضرتؒ کے حصے کو حضرتؒ تک پہنچانے کے لیے ایک وفد ترتیب دیا گیا بلکہ یہ وفد خود بخود بن گیا کہ جو حضرات قرأت علی الشیخ کرتے تھے وہ تین چار افراد بن گئے۔ الحمدللہ کہ احقر اس وفد میں شامل تھا بلکہ گستاخ ہونے کے باعث اس وفد کا متکلم حضرتؒ کی بیٹھک میں ہم حاضر ہوئے اور جملہ شرکائے دورۂ حدیث شریف کی طرف سے ختم بخاری شریف کی یہ گویا شیرینی پیش کی۔ حضرت بہت ہی مسرور ہوئے اور ہمیں ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔

احقر کا دارالعلوم حقانیہ میں بحیثیت خادم کے تقرر

ظاہری تعلیمی فراغت کے بعد احقر چند سال مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی میں تدریسی مشاغل میں (بہ استثناء ایک سال کے کہ مدرسہ صدیقیہ خانیوال میں مدرسہ صدیقیہ کے مہتمم صاحب کے شدید اصرار پر وہاں گذارا) اس دوران مولانا سمیع الحق صاحب کے واسطہ سے مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب جامعہ اسلامیہ راولپنڈی نے اپنے مدرسہ کی تدریس کے لیے پیش کش کی۔ مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے بھی ایک دفعہ ایک مکتوب میں دارالعلوم کراچی منتقل ہونے کا ذکر فرمایا لیکن احقر نے والدین اور نجم المدارس کی خدمت کو بوجوہ ترجیح دی۔ بہرحال ایک دفعہ سنہ پورا یاد نہیں رہا شوال میں جبکہ احقر نجم المدارس میں تعلیمی سال کے ابتدائی مراحل طلبہ کے داخلہ وغیرہ امور میں مشغول تھا ایک دن ڈاک میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے دستخط سے دارالعلوم کے دفتر سے ایک مکتوب گرامی موصول ہوا جس کا مضمون قریباً قریباً یہ تھا کہ

"آپ کو اگر نجم المدارس کی مصروفیات اجازت دیں تو دارالعلوم حقانیہ تشریف لادیں۔ یہاں تعلیمی اوقات میں آدھا وقت تدریس کے لیے ہوگا اور آدھا وقت دارالافتاء میں۔ اس کے علاوہ احقر کی (حضرت شیخ الحدیث صاحب کی) ذاتی ڈاک کے جوابات کی ذمہ داری بھی آپ پہ ہوگی۔"

دارالعلوم حقانیہ چونکہ احقر کا مادر علمی تھا۔ حضرت شیخؒ احقر کے مشفق ترین استاذ تھے۔ پھر دارالعلوم حقانیہ کو پاکستان بھر کے مدارس میں ایک خاص مقام اللہ نے دیا ہے نیز احقر کے والد ماجد حضرت قبلہ قاضی عبدالکریم صاحب کو چونکہ حضرت شیخ الحدیثؒ سے انتہائی تعلق خاطر تھا اور احقر کے عم محترم قاضی عبداللطیف صاحب کو تو دیوبند میں حضرتؒ کا شرف تلمذ بھی حاصل ہو چکا تھا۔ اس لیے ہر دو بزرگوں نے بطیب خاطر حضرتؒ کی خدمت اقدس میں رہنے کی اجازت دے دی۔ احقر مذکورۃ الصدر حوالہ سے اڑھائی تین سال دارالعلوم حقانیہ رہا۔ حضرت کی ذاتی ڈاک کے جوابات لکھنے اور پھر حضرتؒ کی قدیم مسجد کے خطیب و امام جمعہ رہنے کے لحاظ سے تو حضرتؒ سے عجیب قرب رہا۔ مضمون پہلے طویل ہو چکا ہے اور اس عرصہ کی لذیذ حکایتیں دراز تر ہیں۔ اس لیے تدریس و افتاء اور حضرتؒ کے ایک گونہ پرائیویٹ سیکرٹری اور ذاتی خطیب کی حیثیت سے رہنے کے عرصہ کو واقعات کے بجائے تاثراتی طور پر سمیٹ رہا ہوں کہ میں نے اس عرصہ میں حضرتؒ کو ہر پہلو سے بے مثال اور جامع انسان پایا ہے۔ میں نے اس دوران جہاں حضرتؒ کو اقلیم علم کا تاجدار، مسند حدیث کا بے تاج بادشاہ نادرۂ روزگار مہتمم اور مشفق ترین استاذ پایا ہے وہاں حضرتؒ کو ایک شفیق باپ ایک عظیم محسن، ایک عجیب و غریب مہربان میزبان ایک دردمند دوست، ایک حلیم و بردبار رفیق کار، مخلوق خدا کا بے حد ہمدرد اور محبوب حقیقی کا سچا عاشق معبود برحق کا بے ریا عابد اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اعلیٰ نمونہ پایا ہے۔ مخلوق خدا کے ساتھ بے حد ہمدردی دلسوزی دلجوئی اور تواضع و انکسار کے اظہار میں تو حضرتؒ کی نظیر تاریخ کے اوراق میں دور دور تک ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی اور خالق کی عبادت نماز دعائیہ کلمات کا وہ نرالا انداز

ہوتا کہ گویا جسم کا ہر سر مو عبادت گذار، سپاس گذار اور سراپا انکسار ہے۔

ہجرِ محبوب

اڑھائی تین سال کے بعد احقر نے نجم المدارس کی خدمات اپنے والدین گرامی اکابرین خانہ کے خواہش کے احترام خصوصاً حضرت والدہ صاحبہ کی صحت کے غیر تسلی بخش ہونے کی وجہ سے حضرتؒ سے باچشم گریاں و بادل بریاں اجازت چاہی۔ میرے جیسے بے قیمت مدرس اور بے ہمت خادم کا دارالعلوم حقانیہ کی بھری بزم میں کیا وزن تھا مگر حضرتؒ کی ذرہ نوازی کہ میرے رخصت چاہنے کے مسئلہ کو "استعفے" کا عنوان دیا۔ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے علاوہ اکابر اساتذہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبی حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کو باقاعدہ مشورت کے لیے بلایا اور فرمایا عبدالحلیم صاحب جانا چاہتا ہے۔ پھر احقر کے والد صاحب کے مکتوب کو جو حضرتؒ کے نام میری اجازت کے سلسلہ میں تھا اساتذہ کرام کو مولانا سمیع الحق صاحب کے ذریعہ پڑھ کر سنوایا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبیؒ نے مجھے نجم المدارس کے لیے اجازت دینے کی سفارش کی اور یہ بھی خوب یاد ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ نے احقر کے وہاں پر روکنے کا انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ شاید عبدالحلیم کو کوئی شکایت ہو۔ احقر نے فوراً دخل دیتے ہوئے عرض کیا کہ استغفر اللہ استغفر اللہ احقر کو مادر علمی سے کیسے شکایت ہو سکتی ہے۔ میں واقعتاً انتہائی مجبوری سے حضرتؒ سے اجازت چاہتا ہوں۔ پھر گستاخی کرتے ہوئے عربی کا یہ شعر بھی پڑھا ؎

فواللہ ما فارقتکم قالیاً لکم
ولکن مایقضیٰ فسوف یکون

فنا فی الشیخ اور مثالی تواضع

مضمون کے اختتام پر حضرت کی حیات طیبہ میں میں نے جو ممتاز دو چیزیں دیکھی ہیں وہ لکھتا ہوں۔ ایک حضرت کا فنا فی الشیخ ہونا ہے۔ اپنے شیخ حضرت مدنیؒ کا اسم گرامی جب لیتے تو یوں محسوس ہوتا کہ حضرت سراپا قربان ہو رہے ہیں۔ جب حضرت فرماتے کہ "حضرت شیخ" تو یوں لگتا کہ جیسے ان کلمات کے نکلتے ہی کمرہ نور سے بھر گیا ہے۔ فضا روحانیت سے معمور ہو گئی ہے۔ بعض اوقات آپؒ فرماتے کہ "امیر المومنین فی الحدیث حضرت شیخؒ"

میں نے زندگی میں پہلی بار امیر المومنین فی الحدیث کا محاورہ حضرت شیخؒ کے زبان مبارک سے سنا اور اتنا بھلا لگا کہ قلب و دماغ باغ باغ ہو گئے اور اس کے بعد میں جب حضرت شیخؒ کو خط لکھتا تو عام طور پر میں حضرت شیخ کے لیے امیر المومنین فی الحدیث کا لقب استعمال کرتا۔

دوسری چیز بے مثال تواضع

جس کا اب حضرت کے جانے کے بعد تصور بھی ناممکن ہے کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز کا باب بند ہو گیا لیکن عام طور پر اس میں مبالغہ ہوتا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضرت کے سانحۂ ارتحال سے تواضع کا باب بند ہو گیا، تواضع کا دور لد گیا تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔ حضرتؒ کے تواضع کے عنوان سے مضمون لکھا جائے تو مستقل کتاب بنے گی۔ ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ جب احقر جمعہ کے بیان و خطبہ اور نمازِ جمعہ سے فارغ ہوتا اور حضرت کی طرف منہ موڑ کر دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا کہ حضرتؒ کے ہاتھ مبارک بے اختیار میری طرف اٹھ گئے اور اس انداز سے دعائیں دیتے کہ گویا میں نے کوئی بڑا کمال کر دیا ہے۔ کوئی آسمان سر پر اٹھا لیا ہے حالانکہ احقر کی طرح بیسیوں افراد اس کے شائق ملتے کہ حضرتؒ کی مسجد میں بیان فرما دیں اور احقر کے لیے یہ بڑا اعزاز تھا کہ حضرت کے جمعہ کا خطیب و امام بن جاؤں۔ لیکن حضرت کی زبان مبارک پر بار بار یہ جملے ہوتے کہ (اللہ آپ کو اجر عطا فرمائے آپنے میرا بڑا بوجھ ہلکا کر دیا ہے)۔ ایسی پاک ہستی کو اب ہم کیسے بھلا سکتے ہیں۔ اس شعر پر مضمون کو ختم کرتا ہوں ؎

کہاں پائیں گے ہم ترا نقشِ ثانی
سدا روئیں گے ہم تجھے یاد کر کے